Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb (MIFT)
Volume 3 Issue 2, Fall 2023
ISSN$_{(P)}$: 2790 8216 ISSN$_{(E)}$: 2790 8224
Homepage: https://journals.umt.edu.pk/index.php/mift

Article QR

قرآن کا عوامی تفسیری تعامل: تحریک اصلاح دین کے ساتھ ایک موازنہ

Title: **Quran's Public Hermeneutical Treatment: A Comparative Analysis with Reformation Movement**

Author (s): Amjid Islam[1], Aysha Afzal[2]

Affiliation (s): [1]University of the Punjab, Lahore, Punjab, Pakistan
[2]The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur, Pakistan

DOI: https://doi.org/10.32350/mift.32.05

History: Received: August 22, 2023, Revised: October 11, 2023, Accepted: October 26, 2023, Published: December 26, 2023

Citation: Islam, Amjid and Aysha Afzal. "Quran's Public Hermeneutical Treatment: A Comparative Analysis with Reformation Movement." *Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb* 3, no. 2 (2023): 58–69. https://doi.org/10.32350/mift.32.05

Copyright: © The Authors

Licensing: This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest

A publication of
Department of Islamic Thought and Civilization, School of Social Sciences and Humanities
University of Management and Technology, Lahore, Pakistan

قرآن کا عوامی تفسیری تعامل: تحریک اصلاح دین کے ساتھ ایک موازنہ

Quran's Public Hermeneutical Treatment: A Comparative Analysis with Reformation Movement

Amjid Islam *

University of the Punjab, Lahore, Punjab, Pakistan.

Aysha Afzal

The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur, Pakistan.

Abstract

In this content analysis study, the decision about the public hermeneutical treatment and translation of the Holy Quran in modern educational institutions is investigated. A Quran course has now become a necessary subject in universities, colleges, and high schools. This article is actually a comparative analysis of the Christian reformation movement and this HEC's and state's decision. So, in this context, it examines the value of Quran's translation, the historical context of the Protestant Reformation, and recent developments in Pakistani institutions regarding the inclusion of Quran's translation as a subject in the curriculum. The paper addresses the recent decision in Punjab, Pakistan, to make Quranic studies with Urdu translation mandatory at universities, colleges and high schools. The state's goal in implementing this decision is to create a deeper understanding of faith and promote Islamic ideals among Muslim youth. It is vital to highlight that the decision was made by government officials rather than religious professors. While the state's goals may appear to be noble, making Quranic study a requirement in modern institutions raises worries about dilution of Quranic teachings and potential distortion of Islamic beliefs. The study raises important questions concerning the consequences of teaching Quranic interpretation on scientific breakthroughs and its ramifications for specialized domains of knowledge. The integration of Quranic studies in modern education calls for a careful examination of the relationship between traditional teachings and the evolving nature of educational institutions. The study prompts reflection on whether Quranic education is necessary for every academic discipline and whether the state should be responsible for the policies and regulations concerning this integration. It also addresses the intellectual challenges posed by modern educational structures, their methodologies, and the need for a holistic understanding of the Quran in the contemporary world.

Key words: Reformation, Interpretation, Hermeneutics, Modern Education, Modern Institutions

۱۔ تعارف

قرآن تمام بنی نوعِ انسان کے لیے کامل ہدایت اور حق ہے۔ اسلام میں قرآن کوئی ایسا متن نہیں جو کسی انسانی شعور کا تخلیق کردہ ہو، یا وہ خود کسی خاص انسانی شعور کے تابع ہو۔قرآن نہ تو کسی تاریخی عمل کا نتیجہ ہے اور نہ ہی کسی تاریخی واقعے کا۔چونکہ قرآن بطور متن حق اور حق کا اُلوہی اظہار ہے اس لیے وہ قدیم وجدید کی زمانی و مکانی بحث سے ہی باہر ہے۔

*Corresponding author: Amjid Islam at amjidislam۷۸۶@gmail.com

قرآن کا مخاطب صرف انسان کا ذہن نہیں بلکہ پورے کا پورا ''انسان'' ہے۔ جدید دور میں عُلوم کی کسری تقسیم انسان کو بھی کسری تناظر میں دیکھتی ہے جس کی وجہ سے انسان کے متعلق 'کُل' کا تناظر قائم نہیں ہو پاتا۔ عصرِ حاضر میں مابعد جدیدیت، پس ساختیات اور ردِ تشکیل کے فلسفیانہ اطلاق نے ہر اُلوہی متن اور اُس کی حقیقی معنویت کے تقدّس کو نہ صرف پامال کر دیا ہے بلکہ ان متُون سے پیدا ہونے والے حیات کے تمام تصورات کو اپنی غائیت اور نتائج میں انارکی کی نہج پہ لا کے کھڑا کر دیا ہے۔ ان فلسفیانہ تصورات سے پیدا ہونے والے نتائج، جن میں موضوعیت، انفرادیت کا آزادانہ اظہار اور ذاتی فہم شامل ہے، کی گونج زندگی کے تمام عملی رویوں میں سنائی دیتی ہے۔ اس موضوعیت کا جب کسی اُلوہی متن پر اطلاق ہوتا ہے تو دین پر علماء اور روایت کی حاکمیت ایک سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ انسان مرکز تعبیرِ دین ہے۔

تاریخِ انساں اس تجربے سے گزر چکی ہے۔ یہ تجربہ بہت زیادہ پرانا نہیں ہے۔ اس تجربے سے پیدا ہونے والے انسان مرکز معاشرے کی تباہیوں اور ہولناکیوں سے جدید انسان ابھی تک جو نج رہا ہے کیونکہ جدید معاشرہ اب ''انسان مرکزیت'' سے مشین مرکزیت'' میں بدل چکا ہے۔ مشینی معاشرے کی میکانیت نے اُلوہی اقدار کو غیر اہم بنا دیا ہے کیونکہ اب کوئی متن اُلوہی نہیں رہا بلکہ اسے صرف ایک عام سے متن کے طور دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو اسلام میں قرآن کی حیثیت کسی ''جدید متن'' کی سی نہیں ہے۔ اسلام میں قرآن کی حیثیت حق کے ساتھ ساتھ مقدّس ہونے کی بھی ہے، مگر جدید اداروں میں جدید تعلیمی نصاب کے اندر کوئی بھی متن مقدّس نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ مستقل ہوتا ہے۔ یہ متون تاریخی ہوتے ہیں اس لیے یہ نہ تو معنی کا کوئی تقدّس رکھتے ہیں اور نہ ہی کوئی مستقل معنی رکھتے ہیں۔ مقالہِ ہٰذا میں تحریک اصلاح دین کے تناظر میں قرآن کو جدید اداروں کے اندر جدید تعلیمی نصاب کا حصہ بنا دینے کے فیصلے کو تقابلی انداز سے دیکھا جائے گا اور اس کے ممکنہ نتائج کو بھی واضح کیا جائے گا۔

۲۔ جدید تعلیم

عصرِ حاضر میں کسی بھی قوم، ریاست اور معاشرے کی ترقی، خوشحالی اور طاقت کے لیے جدید تعلیم اوّل شرط ہے۔ جدیدیت نے اپنے غلبے کے ساتھ اپنا جدید تعلیمی نظام نہ صرف متعارف کرایا بلکہ اُسے غالب بھی کر کے دکھایا ہے۔ جدید تعلیم کے مراکز ریاستی سرپرستی اور منظوری میں کام کرتے ہیں۔ یہ ادارے فرد کے شعور اور معاشرے کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ جدید علوم کی ترویج کے مراکز جدید تعلیمی ادارے ہیں۔ یہ تعلیمی ادارے فرد اور معاشرے کو ایک خاص ڈھب پر پروان چڑھاتے اور تشکیل دیتے ہیں۔ ان اداروں سے پیدا ہونے والا فرد اپنی ذہنی، انفسی، سیاسی اور سماجی ہیت میں جدید اقدار کا علمبردار ہوتا ہے۔ وہ لاشعوری طور پہ جدید اور سرمایہ دارانہ معاشرے کی ترویج میں اپنا کردار ادا کر رہا ہوتا ہے۔ یہ ایسا جبر ہے جو جدید معاشرے میں رہنے والے تمام افراد کا مکمل احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس سے فرار کسی بھی فرد کے لیے ممکن نہیں ہے۔

۲.۱ جدید تعلیم اور ریاست

جدید معاشروں میں ریاست کا کردار ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتا ہے۔ عہدِ حاضر میں ریاست نہ صرف سرمایہ داری بلکہ جدیدیت کی بھی برابر کی سطح پر آلہِ کار ہے۔ تمام جدید تعلیمی ادارے ریاستی شرائط پر اپنے شہریوں کو تعلیم مہیا کرتے ہیں۔ متن سے لے کر فرد اور فرد سے لے کر معاشرے تک کوئی شے بھی ریاستی جبر اور ریاستی نظر سے پرے نہیں ہے۔ تعلیم کون سی دی جائے گی اور کس طریقے سے دی جائے گی، کون اس کا اہل ہے اور کون نا اہل ہے، تعلیمی دورانیہ کتنا ہو گا اور پڑھا لکھا کون کہلائے گا، یہ تمام معاملات ریاست طے کرتی ہے۔ تعلیم یافتہ افراد معاشرے میں اپنا خاص کردار ادا کرتے ہیں اور ہر معاشرہ کسی نہ کسی تصورِ حیات سے منسلک ہوتا ہے اور یہ سب یعنی ریاست، تعلیمی

ادارے، فرد اور معاشرہ کسی زمان و مکان میں واقع ہوتے ہیں، یعنی تاریخی طور پر یہ سب ایک دوسرے پر بیک وقت اثر انداز ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے ہم آہنگ رہتے ہیں اور تاریخی جبر کے نتیجے میں ان کے مؤثرات کا رخ بھی بدلتا رہتا ہے۔

۲.۲۔ جدید تعلیم اور اس کے مقاصد

جدید تعلیم اور جدید تعلیمی اداروں پر بحث سے قبل یہ ضروری ہے کہ تعلیم کے بنیادی کردار کو واضح سمجھا جائے۔ محمد دین جوہر اپنے ایک مضمون میں اس بنیادی کردار کی اہمیت کو یوں واضح کرتے ہیں:

> ''ہر معاشرے میں تعلیم اپنے مقاصد اور منہاج میں ایک طرف بنیادی تصورِ حیات کے تابع ہوتی ہے اور دوسری طرف تعلیم اسی تصورِ حیات کی انفرادی اور اجتماعی سطح پر تاریخی تشکیل کا عمل سر انجام دینے کے ساتھ ساتھ اسے تاریخ سے ہم آہنگ بھی رکھتی ہے''[1]

تعلیم کے اس کردار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جدید تعلیم کو سمجھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جدید تعلیم، جو کہ اپنی اساس میں جدیدیت کا ایک آلہ ہے، صرف جدیدیت کے قائم کردہ تصورِ حیات اور اس کی تاریخی تشکیل کے عمل کو سر انجام دینے کا کام کرتی ہے۔ جدیدیت اپنے جوہر میں انسان مرکز ہے اور اس کا تصورِ حیات کُلی طور پر اسلام کے تصورِ حیات کے بر عکس ہے۔ اس فرق کو سمجھے اور دیکھے بغیر جس قسم کے معاشرے اور فرد کی تشکیل ہوتی ہے اس کا لازمی نتیجہ کئی طرح کے بحرانات کو جنم دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرد کے لیے اپنی تاریخ، معاشرت، تہذیب سب اجنبی ہو جاتے ہیں اور وہ ایک وجودی التباس کا شکار ہو جاتا ہے۔ محمد دین جوہر اسی تناظر میں رقمطراز ہیں:

> ''لارڈ میکالے سے قبل مسلمان معاشرہ اور اس کے بطون سے ظاہر ہونے والی ریاست ایک بنیادی تصورِ حیات کے تابع تھی اور مسلمان معاشرے کی تعلیم ان تاریخی ادواروں اور ماورائی تصور حیات کو ایک تہذیبی اکائی میں سموئے رکھتی تھی۔ نئی تعلیم کی آمد سے یہ اکائی ختم ہو گئی۔ تعلیم روایتی طور پر ایک معاشرتی ادارہ تھا، کوئی ریاستی ادارہ نہیں تھا، یعنی تعلیم کے عمل میں اقتدار کی ضروریات تو شامل تھیں، ترجیحات شامل نہیں تھیں، فرد اور معاشرے کی روحانی اور اخلاقی اقدار اوّلیت رکھتی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں روایتی معاشروں میں تعلیم ریاست کا ٹول نہیں تھا۔ لارڈ میکالے کی تعلیمی منٹ سے تعلیم یک قلم ریاست کی ترجیحات کے تابع ہو جاتی ہے''۔[2]

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ تعلیم، اداروں کی سطح پر ریاست کے تابع ہے اور جدید ریاست اداروں کے نظم سے ایسے افراد کی تشکیل کرتی ہے جو جدید تعلیم کی مدد سے سرمایہ داری اور جدیدیت کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔ اس طرح تعلیم کا پورا نظام اور عمل سیاسی بن جاتا ہے۔ یہ نظام اور عمل اپنی فطرت میں میکانکی ہوتا ہے جو کبھی بھی سرمایہ داری اور جدیدیت کے مقاصد سے ماوراء نہیں جا سکتا۔

۳۔ مارٹن لوتھر اور اصلاح دین کی تحریک

یورپ میں نشاۃ ثانیہ کو تقریباً سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا تھا جب مغربی چرچ میں ایک نئے مذہبی انقلاب کا آغاز ہوا۔ مغربی تاریخ میں اسے 'ریفرمشن (اصلاح دین)' یا 'پروٹسٹنٹ ریفریمیشن' کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کا آغاز سولویں صدی میں اس وقت ہوا جب مارٹن لوتھر نے

---

۱ محمد دین جوہر، **سہ ماہی جی** (لاہور: حسن منزل اردو بازار، ۲۰۱۱)، ۲:۲۷۔

۲ محمد دین جوہر، **سہ ماہی جی**، ۲:۲۸، ۲۷۔

اپنے ۹۵ تھیسز پیش کر کے چرچ کی 'اتھارٹی' کو چیلنج کیا[3]۔ مارٹن لوتھر خود پادری تھا اور تحریک اصلاح دین کے بانیان میں سے تھا۔ عیسائیت میں اس کی اصلاحی کوششوں نے ایک نئے فرقے کو جنم دیا جسے ''پروٹسٹنٹزم'' کہا جاتا ہے۔ بعد ازاں یہ فرقہ عیسائیت کی تین بڑی شاخوں میں سے ایک ہے[4]۔ ورلڈ ہسٹری انسائیکلوپیڈیا میں ''پروٹسٹنٹ ریفرمیشن'' کا تعارف یوں بیان ہوا ہے:

> ‘’ The Protestant Reformation refers to the widespread religious, cultural, and social upheaval of ١٦th-century Europe that broke the hold of the medieval Church, allowing for the development of personal interpretations of the Christian message and leading to the development of modern nation-states. It is considered one of the most important events in Western history’’.[5]

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ مذہبی تناظر میں لوتھر کی اصلاحی تحریک نے ''عیسائی پیغام یعنی بائبل'' کی ذاتی تعبیر کے آغاز کو فروغ دیا جس کے تاریخی نتائج سے ہر عام و خاص واقف ہیں۔ مارٹن لوتھر چونکہ خود پادری اور اہل مذہب میں سے تھا اس لیے وہ بائبل اور چرچ کے اندرونی ماحول، ساخت، عقائد اور تشریحات سے بخوبی واقف تھا۔ ڈاکٹر آقبال آفاقی اپنی کتاب ''مابعد جدیدیت ۔فلسفہ و تاریخ کے تناظر میں'' میں لکھتے ہیں:

> ''بہر حال مثبت بات تو یہ ہے کہ مغربی یورپ کے مذہبی معاشروں میں مارٹن لوتھر اور کیلون ایسے پرعزم لوگوں نے انقلاب بر پا کر دیا۔ ان مذہبی مفکرین نے دین میں کسی بھی قسم کی مرکزیت سے انکار کیا۔ پاپائیت سے نجات کے لیے بغاوت کی سی فضا ہموار کی۔ اس یورش کا سب سے اہم کارنامہ مختلف یورپی زبانوں میں بائبل کے تراجم کی اشاعت تھا۔ پروٹسٹنٹ دانشوروں کا یہ دعویٰ تھا کہ لوگ اپنی اپنی زبانوں میں خدا کے کلام کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ بائبل کا عامتہ الناس تک براہ راست پہنچنا عوام کی فلاح کے لیے ضروری ہے۔''[6]

ڈاکٹر آفاقی کے اس بیان سے تین چیزیں باآسانی اخذ کی جاسکتی ہیں: چرچ کی مرکزیت سے انکار (اس بات سے انکار کہ چرچ ہی بائبل کی شرح کرنے کا حق رکھتا ہے)، بائبل تک ہر عام و خاص کی رسائی اور اس کی موضوعی تعبیر و تفسیر۔ لوتھر اپنی تقاریر اور خطبات میں بائبل کی

---

۳ Editors of Encyclopedia Britannica, "Reformation," *Encyclopedia Britannica*, April ۵،۲۰۲۳, https://www.britannica.com/event/Reformation.

۴ Editors of Encyclopedia Britannica, "Reformation," *Encyclopedia Britannica*, April ۵, ۲۰۲۳, https://www.britannica.com/event/Reformation.

۵ Joshua J. Mark, "Protestant Reformation," *World History Encyclopedia*, last modified November ۱۰, ۲۰۲۱, https://www.worldhistory.org/Protestant_Reformation/.

۶ ڈاکٹر اقبال احمد آفاقی، **مابعد جدیدیت - فلسفہ و تاریخ کے تناظر میں** (فیصل آباد: مثال پبلیشر، ۲۰۱۳)، ۸۱،۸۰۔

شرح تفسیر ہی کیا کرتا تھا جو اس وقت ایک بہت ہی انوکھی بات تھی[7]۔ وہ آگسٹین کے اس نقطے کی پیروی کرتا تھا کہ بائبل ایک ''قابلِ فہم'' کتاب ہے[8]۔ لہٰذا اس نے اس نقطے کو از سرِ نو دریافت کر کے بائبل کی تعبیر و تفسیر کی نئی طرح ڈالی۔[9]

ژاں گروندان نے اپنی کتاب ''تعارف فلسفہ علمِ تفسیر'' میں لوتھر اور اصلاحِ دین کے متعلق لکھتے ہیں:

''تحریک اصلاح کا کام فقط اتنا ہے کہ اس نے اس نقطے کو از سرِ نو دریافت کیا جسے چرچ نے فراموش کر دیا تھا، یعنی یہ کہ بائبل قطعی الدلالہ ہے اور اس کے متن کے معنی بدیہی طور پر ظاہر اور باطن ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ دو اصول کہ ''مآخذ صرف بائبل ہے''، اور ''بائبل قطعی الدلالہ ہے''، دو موثر تیروں کی طرح مسیحی اسلاف کے ترکش میں پہلے سے موجود تھے اور مارٹن لوتھر نے ان کی قوت کو نظر انداز نہیں کیا۔ اس ضمن میں لوتھر نے تمثیلی معنی اور اسکندریہ کے تفسیری دبستان کے ''معنی چہارگانہ'' کے ادبی نظریے کو رد کر دیا''۔[10]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بائبل پر اس کا موقف صرف متن کی حد تک تھا اور متن بھی وہ جو صرف زبان کی سطح پر لفظ و معنی کی لغوی سطح پر مشتمل تھا۔

۱۔۳۔ مارٹن لوتھر اور بائبل بطور متن

لوتھر کے نزدیک بائبل کے متن کی معنویت اور اس کے تمام روحانی پہلو لفظ و معنی کے درست فہم سے ہی نمو پاتے ہیں، یہ روحانیت متن کے الفاظ یا بائبل الفاظ کے اندر موجود ہوتی ہے جب تک شارح ان الفاظ کے تحقق کے تجربے سے گزر نہیں جاتا جس کی جانب وہ اشارہ کر رہے ہوتے ہیں''اس وقت تک وہ متن کی معنویت اور اس کی روحانی جہات سے واقف نہیں ہو سکتا۔ چونکہ بائبل کے الفاظ، خدا کے الفاظ ہیں لہٰذا بائبل قطعی الدلالہ متن ہے۔ اسی لیے وہ چرچ اور پوپ کی بائبل پر حاکمیت کو رد کرنے کے بعد بائبل کے متن کو مطلق اور حتمی ماخذ قرار دیتا ہے۔ یہ بات لوتھر اور تمام مصلحین میں مشترک تھی۔ اس بابت یوآن کیمرون نے لکھا ہے کہ:

''مصلحین کی ضرورت تھی کہ چرچ سے مقابلہ کرنے کے لیے دین کے کسی ایسے ماخذ پر انحصار کریں جو اس وقت کے ''چرچ'' کے مقابلے میں زیادہ قوی اور اوثق ہو۔ ایک ایسے چرچ کے مقابلے میں جسے مصلحین بد عنوان بھی سمجھتے تھے اور مسیحیت کا دشمن بھی۔ بالآخر انہوں نے ایسا ماخذ دریافت کر لیا۔ یہ کلام الٰہی (لوگوس) کی ''حاکمیت'' کا تصور تھا، جسے انھوں نے چرچ کے منظّم اقتدار کے مقابلے میں صف آرا کیا۔ انھوں نے نشاۃ ثانیہ کے انسان پرستوں کی اس فکر کو اختیار کیا کہ ''لوگوس'' سے مراد ماخذ، کتاب مقدس کا اصل متن اور بائبل کا متفق علیہ مصحف ہے۔ لوتھر کے تصورِ نجات کے ساتھ، کتابِ مقدس کی حاکمیت کا تصور، تحریک اصلاح کا دوسرا بنیادی اصول ہے''۔[12]

---

۷ G. Ebeling, "Die Anfange von Luthers Hermeneutik," *Zeitschrift für Theologie und Kirche* ۴۸ (۱۹۵۱): ۱۷۴, n.

۸ Jean Grondin and Joel Weinsheimer, *Introduction to Philosophical Hermeneutics*, trans. Joel Weinsheimer (New Haven and London: Yale University Press, ۱۹۹۴), ۳۹-۴۴, http://www.jstor.org/stable/j.ctt۳۲bfxq.

۹ Jean Grondin and Joel Weinsheimer, *Introduction to Philosophical Hermeneutics*, trans. Joel Weinsheimer, ۳۹-۴۴.

۱۰ ژاں گروندان، **تعارف فلسفہ علم تفسیر** (لاہور: حسن منزل اردو بازار، ۲۰۱۱)، ۴:۱۵۔

۱۱ ژاں گروندان، **تعارف فلسفہ علم تفسیر**، ۴:۱۵۔

۱۲ یوآن کیمرون، **مارٹن لوتھر کے افکار: کتاب مقدس** (لاہور: حسن منزل، اردو بازار، ۲۰۱۱)، ۲۵:۴۔

۲.۳۔ بائبل کی حاکمیت

متن کی حاکمیت کو چرچ کی روایت پر مقدم قرار دینا تاریخی طور ایک انوکھا واقعہ تھا جو مغرب کی اس وقت کی مذہبی تاریخ میں رونما ہوا ۔یعنی عیسائیت کی مذہبی تاریخ میں پہلی بار متن کی حیثیت کو اوّلین اور چرچ کی روایت کو ثانوی حیثیت حاصل ہوئی۔ مصلحین یہ سمجھتے تھے کہ چرچ کی روایت انسانوں کی پیداوار ہے لہٰذا ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بائبل کی کسوٹی پر چرچ کو تولا جاتا اور چرچ بائبل کے تابع ہوتا، مگر قرونِ وسطیٰ میں یہ معاملہ بالکل اس کے برعکس تھا[۱۳]۔ قرونِ وسطیٰ میں یہ ترتیب اُلٹ تھی۔ بائبل چرچ اور پوپ کے فتاویٰ کے تابع تھی۔ مصلحین نے اس ترتیب کی مخالفت کرتے ہوئے چرچ اور پوپ کو بائبل کی حاکمیت کے تابع ہونے پر زور دیا۔ مصلحین کی یہ ''اصلاح'' جو کہ بائبل کے متن کی انفرادی حیثیت پر مبنی تھی، بائبل کی موضوعی تعبیر و تفسیر کی طرف لے گئی۔اس سے عیسائیت کے اندر نئی الٰہیات پیدا ہوئی جو بائبل کی تعبیر و تفسیر میں ''کثرت کے اصول'' پر مبنی تھی[۱۴]۔

اپنے ابتدائی دنوں میں لوتھر ''روح'' اور لفظ کے درمیان امتیاز کا قائل تھا،اس کے نزدیک روح بائبل کے لفظوں کے اندر ایک حقیقت کی طرح موجود ہے۔۱۵۱۹ء کے بعد اس کا واضح موقف یہ تھا کہ الفاظ کی درست تاویلات ان کے لُغوی مفہوم میں ہی موجود ہیں اور لغوی معنی ہی روحانی معنی کے حامل ہوتے ہیں[۱۵]۔ لوتھر نے الفاظ اور ان کے لغوی مفہوم پر زور دیتے ہوئے اس پہلو کو نظرانداز کیا کہ زبان اور اس کے الفاظ و مفہوم تاریخ اور زماں و مکاں کی حدبندیوں میں قید ہو کر رہ جاتے ہیں جبکہ الوہی متن تاریخ اور زمان و مکاں میں ہوتے ہوئے بھی ان سے ماوراء ہوتا ہے۔ عامۃ الناس تک کتابِ مقدّس کی رسائی صرف لوتھر کے باعث ممکن نہیں ہوئی۔اس سے پہلے بھی چرچ نے عام آدمی کے لیے بائبل کے مطالعے کو کبھی ممنوع قرار نہیں دیا تھا[۱۶]اس کے علاوہ مصلحین نے جب بھی لوگوں کے سامنے بائبل اور اس کی تعبیر کو پیش کیا تو وہ کبھی بھی اپنے ذاتی تعصّبات سے خود کو آزاد نہیں کرا سکے۔وہ ایک خاص نقطہ نظر کے تحت کی گئی بائبل کی تعبیر کو لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔یہ وہ خالص بائبل نہیں ہوتی تھی جو تعصّبات سے پاک ہو۔اس میں انسانی پن کا عنصر ہمیشہ شامل رہتا تھا۔[۱۷]

کیمرون اس تعبیر میں موجود تعصب اور اس کے ناخالص پن کے متعلق رقمطراز ہے:

> ''اس بات کا خطرہ ہمیشہ سے موجود رہا ہے کہ جب عام اور غیر تعلیم یافتہ لوگ بائبل کا ایک چھوٹا سا حصہ پڑھیں گے، تو وہ تخیلات کی دنیا میں پرواز کر جائیں گے،اور اپنے اس ناقص مطالعے کے بل پر اپنے بارے میں نت نئے تصورات اختراع کر لیں گے۔قرون وسطیٰ کے دراسی علماء نے اس کا یہ حل تجویز کیا تھا کہ دلوں میں موجود ایمان کی بدولت ،عام مسیحیوں کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ چرچ کی تعلیمات کی ہر ہر تفصیل سے واقف ہوں اور اس کو کماحقہ سمجھتے ہوں۔آخرت میں عام آدمی کی نجات کے لیے کافی ضمانت یہ ہے کہ وہ چرچ کی تعلیمات کو قبول کرے اور ان کا اتباع کرے۔اس کے برخلاف ،نشاۃ ثانیہ کے انسان پرست علما کا خیال تھا کہ عام آدمی، خواہ وہ برائے نام تعلیم یافتہ ہو، بائبل کو بلاخطر سمجھ سکتا ہے ،کیونکہ وہ اس کے مطالعے سے صرف اخلاقی تعلیمات اور نیکیوں کے قابلِ تقلید نمونوں کو ہی اخذ کرے گا، گویا ان کا خیال تھا کہ ایسا شخص بائبل سے وہی

---

۱۳ Euan Cameron, *The European Reformation* (New York: Clarendon Press, ۱۹۹۱) ۱۳۶-۱۴۴, chap. ۹.

۱۴ Paul A. Bishop, "Martin Luther and the Protestant Reformation" (Hillsborough Community College, ۲۰۱۴).

۱۵ Alister E. McGrath, *The Intellectual Origins of the European Reformation* (John Wiley & Sons, ۲۰۰۸).

۱۶ Alister E. McGrath, *The Intellectual Origins of the European Reformation* (John Wiley & Sons, ۲۰۰۸).

۱۷ Euan Cameron, *The European Reformation* (New York: Clarendon Press, ۱۹۹۱), ۱۳۶-۱۴۴, chap. ۹.

معاملہ کرے گا جو خود شمالی یورپ کے انسان پرستوں نے کیا تھا۔ چنانچہ اراسمس نے عہد نامہ جدید کے پیش لفظ (۱۵۱۶) میں لکھا کہ عام اور غیر تعلیم یافتہ افراد کے حق میں پسندیدہ بات یہ ہے کہ وہ کتاب مقدس کے سادہ حقائق کا مطالعہ اپنی زبان میں کریں۔''[۱۸]

کیمرون کا یہ اقتباس کئی حوالوں سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عامۃ الناس تک اُلوہی متن کی رسائی کس طرح کے خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ یعنی یہ موضوعیت کو جنم دیتی ہے ، جس کا لازمی نتیجہ انتشار اور روایت کی اس انسانی تاریخ کے ورثہ کا انکار ہے جس کا دینی شجرہ نسب پیغمبر ﷺ سے جا کر ملتا ہے۔ جیسے نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ سے صحابہ کرام نے خود قرآن اور دین سیکھا، پھر صحابہ سے تابعہ تابعین اور اس طرح دین اسی تسلسل سے ہم تک پہنچا۔ اگر اس تسلسل کو خارج کر دیا جائے اور ہر آدمی سے کہا جائے کہ وہ خود قرآن کا مطالعہ کرے اور سمجھے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہو گا کہ لوگ نئے تصورات کو اختراع کریں گے۔ وہ دینی روایت جس کا منبع نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس ہے، نعوذ باللہ غیر اہم اور غیر ضروری ہو جائے گی۔ اُلوہی متن نا صرف عقل کے تابع ہو جائے گا بلکہ وہ اپنی اہمیت اور دینی حاکمیت بھی کھو بیٹھے گا۔

۴۔ قرآن کی عوامی تعبیر: ایک تجزیہ

۱۵ جون ۲۰۲۰ کو ملک کے تمام اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ پنجاب کی تمام جامعات میں قرآن کو مع اردو ترجمہ لازمی مضمون کے طور پر شامل نصاب کر دیا گیا ہے۔ ملک کے مشہور اخبار ڈان نیوز نے اس خبر کے ساتھ گورنر چوہدری محمد سرور کی مندرجہ ذیل ٹویٹ کو بھی شائع کیا:

> ‘‘The historical decision to teach the Quran with Urdu translation has been implemented. This would be a compulsory subject in universities of Punjab without which a degree won’t be awarded”.[۱۹]

اس خبر اور گورنر صاحب کی ٹویٹ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اب نصاب کا لازمی حصہ ہے اور اس مضمون کے بغیر ''ایچ۔ای۔سی'' کسی بھی طالب علم کو ڈگری نہیں دے گی۔ اس فیصلے کے بعد پنجاب کی سب سے بڑی یونیورسٹی جامعہ پنجاب میں اس مضمون کو نصاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ جامعہ پنجاب کے اندر قرآن اور قرآن کے ترجمہ کو باقاعدہ مضمون کے طور پر پڑھایا جا رہا ہے۔ یہ نا صرف پڑھایا جا رہا ہے بلکہ اس کا باقاعدہ امتحان بھی منعقد ہوتا ہے۔ ۷ مارچ ۲۰۲۳ء کو ایچ۔ایس۔سی نے

‘’Teaching of Holy Quran in Pakistani universities’’

کے نام سے ایک نوٹیفکیشن جاری کیا جس میں پاکستان کی تمام جامعات کو درج ذیل ہدایات دی گئی تھیں:

> ’’The teaching of holy Quran in universities is fundamental in providing Muslim youth with a deeper understanding of their faith as well as in preservation and observance of Islamic values of morality, ethics and social justice. In view of its importance and in line of the senate resolution no.۵۳۳ passed of the ۱۶ of January

---

۱۸ یو آن کیمرون، **مارٹن لوتھر کے افکار: کتاب مقدس** (لاہور: حسن منزل، اردو بازار، ۲۰۱۱)، ۴: ۳۸۔

۱۹ "Dawn News," Retrieved from: https://www.dawn.com/news/۱۵۶۳۶۰۶.

۲۰۲۳(enclosed), all the Pakistani universities/degree awarding institutes are advised to incorporate a course on holy Quran with translation, tajveed and tafseer for Muslim students as a mandatory degree award requirement for all undergraduate degree programs with effect from fall ۲۰۲۳ without making in part of the examination or provision of additional marks. The course shall be non-credited. A comprehensive compliance report with detailed delivery mechanism and protocols thereof dully approved by the concerned statutory body of the universities/DAI in response to this advisory must be fundamental to this office latest by ۳۰ June ۲۰۲۳.''[۲۰]

یہاں اس بات کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے کہ اس فیصلے کی انجام دہی میں علماء شامل نہیں ہیں بلکہ ریاست نے اپنی حاکمیت کو استعمال کرتے ہوئے اس فیصلے کو انجام دیا ہے۔اس فیصلے میں ریاستی مقاصد بظاہر بہت سادہ اور واضح ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ریاستِ پاکستان کا یہ فیصلہ بظاہر نیک نیتی پر مبنی ہے مگر جدید دور کے اندر جدید اداروں میں اس مضمون کا لازمی قرار دیا جانا خود قرآن اور اسلام کے لیے ایک تشویش ناک عمل ہے۔

۱.۴۔ کچھ بنیادی فکری سوالات

جدید اداروں کی جدید تعلیمی ساخت کے اندر قرآن کے ترجمے کو عوامی بنادینا کئی طرح کے سوالات کو جنم دیتا ہے۔ ان سوالات کی نوعیت وجودی سطح کی ہے ،یعنی حق اور ہدایت کے تناظر میں یہ تمام سوالات اسلام کے وجود کے ساتھ منسلک ہیں۔کچھ بنیادی سوالات مندرجہ ذیل ہیں :

۱. آج تک مسلمان معاشروں میں قرآن مجید کو پڑھنے پڑھانے کے اسالیب روایتی رہے ہیں۔کیا یونیورسٹی میں ان اسالیب کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے؟

۲. قرآن مجید کی عالمانہ تعلیم میں طالب علم کی اتنی استعداد ہوتی ہے کہ وہ عربی کے متون پڑھ سکتا ہے اور ان کا فہم حاصل کر سکتا ہے۔اس کے بعد ہی قرآن مجید کو باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے۔کیا مذکورہ استعداد کی عدم موجودگی میں قرآن مجید کو پڑھا جا سکتا ہے؟

۳. قرآن مجید کی تعلیم کے دوران طلبہ کو مختلف مسالک کے ائمہ کی اختلاف پر مبنی آراء سے واقف کرایا جاتا ہے اور پاکستان میں کثیر مدارس حنفی مسلک کے نمائندہ ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں۔تعلیمی دورانیہ سالوں پر محیط ہوتا ہے اور تمام اشکالات اساتذہ حل کرواتے ہیں۔کیا یونیورسٹی میں یہ تمام مدارج پورے کرائے جاتے ہیں؟

۴. قرآن مجید کی تعلیم ایک لمبا پراسس ہے۔طلبہ تعلیمی دورانیے میں پہلے عربی گرامر میں مطلوبہ استعداد بہم پہنچاتے ہیں اور لسانیاتی مہارتیں حاصل کرتے ہیں اسکے بعد ہی قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔کیا قرآن مجید کو روایتی اسالیب ترک کر کے اور بغیر مطلوبہ استعداد پیدا کیے، پڑھانا نجی تعبیرات کو فروغ نہیں دے گا؟

۵. جدید سائنسی علوم کے زود افزوں اثرات اور مختلف پس منظر تعلق رکھنے والے طلبا کے مابین قرآن کی تفسیر کی تعلیم کس طرح کے اثرات مرتب کرے گی؟

---

۲۰ No .HEC/ CURR/SR-۵۳۳/۲۰۲۳/۴۵۲۰

۶. کیا ہر شعبہ علم میں قرآن کی تعلیم خاص تربیت کا تقاضا نہیں کرتی؟ کیا ریاست کو اس تعلیمی پالیسی کے مالہ وماعلیہ سے متعلق بھی انتظامات نہیں کرنے چاہئیں؟

۷. جدید تعلیم، اس کی نیچر، جدید دنیا، جدید اداروں کی ساخت اور ان کے طریقہ کار کے عقلی و فلسفیانہ فہم کے بغیر، غیر تربیت یافتہ اساتذہ کی تعلیم قرآن طلباء کو تسکین فراہم کر پائے گی؟

۸. جدید اداروں میں قرآن کے متن کی تعلیم کا کون سا طریقہ کار اپنایا جائے کہ جس سے قرآنی متن کی حاکمیت باقی رہے؟

۹. جدید اداروں میں پڑھنے والے طلباء کو قرآن کا عامیانہ فہم جدید اصولوں پر فراہم کرنا کس حد تک دین کے لیے سود مند ہوگا؟

۱۰. قرآن کی وہ آیات جس کے لیے بہت زیادہ مطالعے اور تحقیق کی ضرورت ہے، مثال کے طور پہ آیات محکمات، کلامی مباحث سے متعلق آیات، متشابہ آیات اور وہ آیات جو جدید میتھڈ اور جدید تعلیمی نتائج سے ٹکراتی ہیں، تو اس سے پیدا ہونے والی تشکیکی ذہنیت کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟

۱۱. کیا یہ تجربہ بائبل کو عوامی بنا دینے والے تجربے جیسا نہیں ہوگا؟ کیا اس سے قرآن کے متن کی ہر تعبیر موضوعی نہیں ہو جائے گی؟ اور اس تجربے کے نتائج وہی نہیں ہوں گے جو بائبل کے عوامی ہو جانے سے ہوئے ہیں؟

ریاست کے اس فیصلے نے اسی ماہیت کے اور بھی کئی سوالات کو جنم دیا ہے جن کو تحقیق اور تنقید کا موضوع بنانا نہایت ضروری ہے، مگر اس تحقیقی مقالے بائبل کے تاریخی تجربے کو مد نظر رکھتے ہوئے کا مقصد صرف اصلاح دین کی تحریک کے ساتھ تقابلی جائزہ لینا ہے۔ اصلاح دین کے واقعہ اور جو نتائج جو نتائج برآمد ہوئے اس میں انفرادی سطح پر بائبل کی موضوعی تعبیر اور فہم راہ ہموار ہوئی ہے۔ اجتماعی سطح پر عیسائیت لوگوں کی ذاتی زندگی اور چرچ تک محدود ہو کے رہ گئی اور بائبل بطور الوہی متن اپنی آفاقی حاکمیت کھو بیٹھی ہے۔ اپنے آغاز میں اصلاح دین کی تحریک مذہب کے اندر سے پیدا ہوئی اور ریاست کی سیاسی حرکیات اور اس کے سیاسی مقاصد کا حصہ بعد میں بنی۔ یہ سارا عمل جدید تعلیم اور جدید تعلیمی اداروں کی بدولت اپنے انجام کو پہنچا۔ قرآن کی اس ''پبلک ہرمانٹیکل ٹریٹمنٹ'' کو دیکھا جائے تو یہ اس لیے بھی تشویش ناک ہے کیونکہ اس عمل کے آغاز میں ہی جدید ریاست اس کی سرپرستی میں اپنے تمام سازوسامان کے ساتھ شامل ہے۔ ریاست کے اس ''سازوسامان'' میں، جدید تعلیمی ادارے، جدید تعلیم اور ریاستی طاقت شامل ہے۔ جدید تعلیم اور ریاست کے اس گٹھ جوڑ سے وہ نتائج بہت جلد برآمد ہوں گے جو بائبل کو عوامی بنا دینے سے ہوئے تھے۔

اکبر الہ آبادی نے جدید تعلیم پر طنز کرتے ہوئے کہا ہے:

یوں قتل پہ بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی[۲۱]

اس شعر میں اگر غور کیا جائے تو اکبر نے افسوس کا اظہار فرعون پر کیا ہے جو فرمانروائی اور طاقت کا نمائندہ ہے۔ یعنی فرعون نے خواہ مخواہ ہزاروں معصوم بچوں کی نسل کشی کی رسوائی اپنے سر لی، اگر وہ ایک کالج بنا لیتا تو اس سے وہ وہی مقاصد حاصل کر سکتا تھا جو اس نے بچوں کی نسل کشی سے حاصل کرنے چاہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کالج ایک ایسی چیز ہے جس کے سامنے فرعون کی فرمانروائی بھی چھوٹی ہے۔

۲۱ Retrieved from : https://www.express.pk/story/۲۳۸۴۹۱

عصر حاضر میں کالج جدیدیت اور جدید تعلیم کا نمائندہ ادارہ ہے جس کو بنیاد بنا کر اکبر نے فرعون پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ کالج ایک ایسی میکانکی ساخت پر مشتمل ادارہ ہے جس کے اندر تعلیم کا ایک منظّم میکانکی 'ڈیزائن' کارفرما ہے جو جدید ریاست کی سیاسی حاکمیت اور اس کی خود مختاری کو قابل قبول بناتا ہے اور ان کے مقاصد کو پورا کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ علم اور شعور کے تناظر میں یہ عقل کی لامتناہی آزادی کو انسان کی تقدیر کے طور پر پیش کرتا ہے۔ جدید تعلیم مذہبی معنوں میں چونکہ ماورائی تصور حقیقت سے خالی ہے، اس لیے وہ اپنے 'پروسیس'' کے اندر آنے والے ہر متن کا اپنی شرائط پر معاملہ کرتی ہے۔ جدید تعلیم اپنی اساس میں ہر متن کو اپنے تصور حقیقت اور سیاسی حاکمیت کے تابع بناتی ہے۔ وہ خود کسی متن کی آفاقی حاکمیت کو قبول نہیں کرتی جس میں حقیقت کا کوئی ماورائی عنصر بھی شامل ہو۔

۲.۴۔ ممکنہ نتائج

حکومتی فیصلے اور اصلاح دین کی تحریک میں بہت سی باتیں مشترک ہیں جن میں الوہی متن کی عوام تک ترجمے کے ذریعے رسائی ،اختراعات کا قوی امکان، موضوعی تعبیر اور ایک خاص تناظر میں مرکزیت کا انکار شامل ہے۔ ہمارے یہاں، مذہبی معاملات میں مرکزیت کا کوئی وجود نہیں ہے، اہل مذہب اپنی اپنی تعبیر دین پر کھڑے ہیں۔ اہل مذہب کے آپس میں فروعی اختلافات کو کسی انداز سے درست کہا جا سکتا ہے مگر جدید اداروں میں پڑھنے والے طلباء، جو کہ دین سے کماحقہ واقف نہیں ہیں اور ان کا دین کو لے کر فہم ورائے معلومات پر مبنی ہوتا ہے، ان کے لیے اس عمل کی حاصلات، اس کی پیچیدگی اور باریکیوں کو فہم میں لانا آسان نہیں ہے۔ چونکہ اصلاح دین کی تحریک عیسائیت کے اندر سے پیدا ہوئی تھی اس لیے عیسائیت کو چرچ کے حدود اربعہ تک محدود ہوتے ہوتے وقت لگا، مگر یہاں ریاست اپنے تمام آلات، مقاصد اور اداروں کے ساتھ اس کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اس سے یہ تمام نتائج بہت جلد اور تیزی سے حاصل ہونے کا قوی امکان موجود ہے۔

۵۔ حاصل کلام

علمی تناظر میں دیکھا جائے تو ریاستِ پاکستان کی فکری اور سماجی ساخت بہت پیچیدہ ہے کیونکہ ہمارے یہاں معاشرہ نہ تو مکمل طور پر جدید ہوا ہے اور نہ ہی اسے روایتی مذہبی معاشرہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مذہب عوام کی زندگیوں میں اپنا وجود باقی رکھے ہوئے ہے لیکن علمی اور سیاسی طور پر مذہب کی شکست بظاہر مکمل ہو چکی ہے۔ مسلمان اہلِ علم اس کوشش میں ناکام ہو چکے کہ وہ کوئی ایسا نظریہ علم پیدا کر سکے ہوں جو جدید نظریہ علم کے سامنے کھڑا ہو سکے اور اپنی مضبوط معاشرت اپنی شرائط پر قائم کر سکے۔ اوپر کی گئی بحث کا تاریخی تناظر و تجزیہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ پاکستان میں یہ ریاستی اصلاح دین کا فیصلہ دین کو ایک نئی طرز کے جدید تعلیم یافتہ پروٹسٹنٹزم کی طرف لے جائے گا۔ یہ بات تو مسلمہ حق ہے کہ افراد کی تشکیل سازی کا عمل اُس وقت بہت تیز ہو جاتا ہے جب ریاست کے ساتھ طاقت کا گٹھ جوڑ ہو جائے۔ جدید ریاست کی ماہیت ہی ایسی ہے کہ ہر شے اس کی دسترس میں ہوتی ہے اور فی زمانہ تمام متون سیاسی ہو کر ریاست کے تابع ہو گئے ہیں۔ کوئی بھی متن ریاست، سیاست اور تاریخ کی تثلیث سے باہر نہیں ہے، مگر قرآن کوئی سیاسی متن نہیں ہے۔ قرآن کلام الٰہی ہے۔ دین میں قرآن کی تعبیر و تفسیر ، روایت اور اس کے اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہی ممکن ہے۔ یہاں روایت سے مراد علماء کا وہ سلسلہ جن کا دینی ماخذ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی ذات مبارکہ ہیں۔ علماء کی روایت کے اسی اجماع کو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی نسبت سے قرآن کی تعبیر و تفسیر پر حاکمیت کا حق حاصل ہے۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ ریاست ان معنوں میں اصلاح دین نہیں چاہتی جیسے یورپ میں عیسائیت کی ہوئی مگر جدید تعلیمی اداروں میں جدید نصاب پڑھنے والے طلباء کے عقلی شعور کے جدید تشکیکی رویوں کو روکا نہیں جا سکتا۔ تشکیکی عمل چونکہ ذہنی ہوتا ہے مگر جدید تشکیک ایک ایسے وجودی تذبذب کو جنم دیتی ہے جس کا لازمی نتیجہ لاادریت اور الحاد ہے۔ جدید انسان چونکہ عقل کی آزادی کا قائل ہے اس لیے جدید تعلیمی نصاب عقل کے اس جدید تصور پر استوار ہے جو مذہبی تصورِ عقل کے بالکل برعکس ہے۔ مذہبی تناظر میں عقل غیر فعال اور وحی کے

تابع ہوتی ہے جبکہ جدید تصورِ عقل اپنے جوہر میں فعال ہے اور یہ خود کو کسی بھی ماورائی حقیقت کے تابع نہیں مانتا بلکہ یہ ہر شے پر فعالی طور پر حکم لگاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے اس فیصلے پر نظر ثانی کی جائے یا پھر ایسا لائحہ عمل ترتیب دیا جائے جس سے دین کی سالمیت اور حاکمیت باقی رہے۔

کتابیات

آفاقی، ڈاکٹر اقبال، **مابعد جدیدیت-فلسفہ و تاریخ کے تناظر میں** (فیصل آباد: مثال پبلیشر، ۲۰۱۳)

جوہر، محمد دین، **جدید تعلیم کا تناظر** (لاہور: حسن منزل اردو بازار، اپریل تا جون ۲۰۱۱)

کیمرون، یو آن، **مارٹن لوتھر کے افکار: کتاب مقدس** (لاہور: حسن منزل اردو بازار، اکتوبر ۲۰۱۱)

گروندان، ژان، **تعارف فلسفہ علم تفسیر** (لاہور: حسن منزل اردو بازار، اکتوبر ۲۰۱۱)

Cameron, Euan. *The European Reformation*. New York: Clarendon Press, ۱۹۹۱.

Ebeling, G. "Die Anfange von Luthers Hermeneutik." *Zeitschrift für Theologie und Kirche* ۴۸ (۱۹۵۱): ۱۷۴, n.

Grondin, Jean, and Joel Weinsheimer. *Introduction to Philosophical Hermeneutics*. Translated from French by Joel Weinsheimer. New Haven and London: Yale University Press, ۱۹۹۴. http://www.jstor.org/stable/j.ctt۳۲bfxq.

Bishop, Paul A. "Martin Luther and the Protestant Reformation." Hillsborough Community College, ۲۰۱۴.

McGrath, Alister E. *The Intellectual Origins of the European Reformation*. John Wiley & Sons, ۲۰۰۸.

Zimmermann, Jens. *Hermeneutics: A Very Short Introduction*. OUP Oxford, ۲۰۱۵.

Thirumalai, M. S. "Lord Macaulay: The Man Who Started It All, and His Minute." *Language in India* ۳, no. ۴ (۲۰۰۳).

Hirsch, Eric D. "Truth and Method in Interpretation." *The Review of Metaphysics* (۱۹۶۵): ۴۸۸-۵۰۷.

Hicks, Stephen Ronald Craig. *Explaining Postmodernism: Skepticism and Socialism from Rousseau to Foucault*. Scholargy Publishing, Inc., ۲۰۰۴.

Bishop, Paul A. "Martin Luther and the Protestant Reformation." Hillsborough Community College, ۲۰۱۴.

Davey, Nicholas. *Unquiet Understanding: Gadamer's Philosophical Hermeneutics*. State University of New York Press, ۲۰۱۲.

Ghosh, Suresh Chandra. "Bentinck, Macaulay and the Introduction of English Education in India." *History of Education* ۲۴, no. ۱ (۱۹۹۵): ۱۷-۲۴.

Gadamer, Hans-Georg. *Truth and Method*. A&C Black, ۲۰۱۳.